© rasailojaraid.com

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ

ایک جامع شخصیّت

ان کی محفل میں سیرتِ طیبہ سے لے کر آزادیٔ ہند تک کی پُر وقار مُستند معلومات ہوتیں، ان کے چشمۂ صافی سے عوام و خواص سب بقدرِ ظرف شرابِ معرفت پی کر سیراب ہوتے، اُن کے اندازِ بیان میں مقناطیس کا اثر تھا۔ جب کسی مسئلہ پر لب کشائی فرماتے تو علم و حکمت کا اتھاہ سمندر موجزن ہوتا وہ علم کا سمندر تھے جو ساحل سے بے نیاز ہو، وہ ایک گلستان تھے جس کی خوشبو دُنیا کے چپے چپے میں بسی ہوئی تھی، وہ ایک شجرِ ثمر دار تھے جن کے پھلوں سے ایک عالم سیراب ہُوا، وہ ایک گوشہ نشین تارکِ دنیا تھے جو دنیا و ما فیہا سے بے نیاز ہو کر علمِ دین کی خدمت میں مصروف ہوئے، ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق   ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

حضرت مولانا رضاء الحق مدظلہ
دارالعلوم زکریا لینشیا جوہانسبرگ، جنوبی افریقہ

آفاقہا گر دیدہ ام مہر بتاں ورزیدم
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

سیدی و سندی شیخ الحدیث محبوب الانام، جامع العلوم، پیکرِ صدق و صفا، مجسمِ تواضع حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعلی اللہ درجتہ فی اعلیٰ علیین و جعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ کا وصال ایسے وقت ہُوا جس وقت ان کا وجود عالمِ اسلام کے لیے پانی اور غذا سے زیادہ ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس بں بہتر مقام عطا فرمائیں اور ہم گنہگاروں پر ان کی برکات و فیوض نازل فرمائیں حضرت مولانا مرحوم کی خوبیاں اور کمالات تو وہ حضرات جانتے ہوں گے جو حضرتؒ کے معاصر یا ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوں۔ ہم جیسے نابکار تو ان کے کمالات اور محاسن کا ادراک بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہمارا شکستہ قلم حضرتؒ کی علمی و عملی کاوشوں کا احاطہ کر سکتا ہے تاہم مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے تحت چند باتیں جو سطحی طور پر ذہن میں آئیں حوالہ قرطاس کرتا ہوں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ درس و تدریس کے شہسوار، علمِ حدیث کے مسند نشین، عمل کے راہی، اخلاص و تقویٰ کے پیکر، مجسمِ تواضع، حسنِ صورت و حسنِ سیرت کا پُتلا تھے۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے باطنی حسن و جمال کے ساتھ ظاہری حسن سے بھی خوب نوازا تھا، ان کے چہرے میں بلا کی کشش تھی، انکے رخسار گلاب کے پھول کی طرح معتقدین و متوسلین کو دعوتِ نظارہ دیتے تھے۔ بڑھاپے اور ضعف و نقاہت کے باوجود اُن کے چہرے کی شادابی جوانوں سے زیادہ تھی، اُن کے چہرے پر نظر پڑتے ہی یقین ہو جاتا تھا کہ یہ کسی اللہ والے کی صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے میں بلا کی معصومیت رکھی تھی، ان کے چہرۂ اقدس پر نگاہ پڑتے ہی اللہ تعالیٰ یاد آتے تھے۔

ان کو ربِ ذوالجلال نے اذا راؤ ذکر اللہ کا مصداق بنایا تھا۔ علمِ حدیث مولانا کا اوڑھنا بچھونا تھا، وہ طلباء اور علماء کی محبت کی جولانگاہ تھے، ان کی شخصیت میں بلا کی کشش تھی، وہ جہاں بیٹھتے وہاں علم کے خزانے کھلتے عمل کی ہوائیں چلتیں، تقویٰ و اخلاص کی خوشبو پھیلتی اور ان کی مجلس کی بہاریں مشامِ جان کو معطر کر دیتیں ؎

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتوِ او
ہر کجا مے نگرم انجمنے ساختہ اند

ان کی محفل میں سیرتِ طیبہ سے لے کر آزادیٔ ہند تک کی پُر وقار مُستند معلومات ہوتیں۔ ان کے چشمۂ صافی سے عوام و خواص سب بقدرِ ظرف شرابِ معرفت پی کر سیراب ہوتے، ان کے اندازِ بیان میں مقناطیس کا اثر تھا، جب کسی مسئلہ پر لب کشائی فرماتے تو علم و حکمت کا اتھاہ سمندر موجزن ہوتا، وہ علم کا سمندر تھے جو ساحل سے بے نیاز ہو، وہ ایک گلستان تھے جس کی خوشبو دُنیا کے چپے چپے میں بسی ہوئی تھی، وہ ایک شجرِ ثمر دار تھے جس کے پھلوں سے ایک عالم سیراب ہُوا، وہ ایک گوشہ نشین تارک الدنیا تھے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دُنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر علمِ دین کی خدمت میں مشغول ہوں، وہ سے

درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

کا صحیح مصداق تھے۔ وہ ایک کہنہ مشق اور قدیم الزمان مدرس تھے جن کی بالذات یا بالواسطہ شاگردی سے شاید ہی کوئی بھی دامن رہ چکا ہو۔ دنیا کے کونے کونے میں ان کے علم کی نہریں جاری و ساری ہیں۔ یہ حضرت مولانا مرحوم کی خوش نصیبی ہے کہ پاکستان اور بیرونِ ملک کے دینی مدارس کے اکثر شیوخ الحدیث حضرت مولانا کے بالذات یا بالواسطہ شاگرد ہیں اور حضرت مولاناؒ کے لیے صدقہ جاریہ کا کام دیتے ہیں۔ انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی مسند درس کو بھی رونق بخشی اور نوعمری میں ہی اپنے علم کا لوہا منوا لیا۔ اور تھوڑے عرصہ میں استاذ الحدیث کی مسند کو زینت بخشی اور ہزاروں ہمہ تنِ رسول کو قال اللہ و قال الرسول کی لذتوں سے آشنا کرایا، اور دارالعلوم دیوبند ہی میں مولانا عبدالحق النافع کے پیارے لقب سے ملقب و موسوم ہوئے۔ اور ابھی شاید عمر کی چالیس بہاریں بھی نہیں گذری تھیں کہ سب کے منظورِ نظر اور اعلیٰ پائے کے اساتذہ کی صفوں میں شامل ہوئے اور چشمِ فلک نے یہ نظارہ دیکھ لیا کہ ایک سرحدی عالم کے نازک لبوں نے علمِ حدیث کی کتابوں کو بوسہ دیا اور اکابر و اصاغر سے دادِ تحسین وصول کی اور ان بزرگو کی دعاؤں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا جن کے دمِ قدم سے علمِ دین کی عمارت پاک و ہند کی سرزمین پر قائم تھی۔

اپنے اساتذہ سے سُنا ہے کہ مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند میں ہر درجہ کے طالب علموں کے محبوب و منظور تھے، سب ان پر جان چھاور کرتے تھے اور عقیدت کے پھول ان کے قدموں پر ڈالتے تھے۔

آج مولانا مرحوم کی وفات پر صرف پاکستان نہیں بلکہ ہندوستان، افغانستان، ایران اور اسلامی ممالک کا گھر گھر رو رہا ہے۔ اس قحط الرجال کے اس بدقسمت دور میں حضرت مولانا کی وفات قیامت سے کم نہیں۔ آج مولانا ایک عالم کو یتیم کر کے رخصت فرما گئے اور اپنے متوسلین کو ورطۂ غم و حیرت میں چھوڑ دیا، آج مولانا علمِ حدیث، درس و تدریس کی مسند کو ویران چھوڑ کر جانبِ خلدِ بریں تشریف لے گئے اور اپنے پیچھے ایسی مہیب خلا چھوڑی جس کے پُر ہونے کا بظاہر، امکان نہیں۔ آج ان کو علمِ حدیث کے اوراق رو رہے ہیں مولانا کی وفات پر ہر گھر ماتم کناں ہے، ان کی وفات مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ کا صحیح مصداق ہے۔

آج وہ تو مسکراتے ہوئے اپنے اعمالِ حسنہ اور صدقاتِ جاریہ کا بیش قیمت خزانہ لے کر اللہ میاں کے ہاں پہنچ گئے مگر اپنے پیچھے رونے والوں کا ایک لشکرِ عظیم چھوڑ گئے۔ شاید کسی ہاتف نے مولانا کے کانوں میں یہ مضمون پہنچایا تھا سے

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو
ہمہ خنداں بوند و تو گریاں
ایں چناں زی کہ وقتِ مُردنِ تو
ہمہ گریاں بوند و تو خنداں

مولانا مرحوم میں ربِ کائنات نے اتنی خوبیاں جمع کی تھیں کہ القاء و بیان کا دامن ان کے بیان سے تنگی کا شاکی ہے سے

داماں نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گل چینِ بہارِ تو زِ داماں گلہ دارد

وہ ایک طرف کاروانِ علم کے سپہ سالار تھے تو دوسری طرف تشنگانِ علم و عمل اور دلدادگانِ تصوف کی پناہ گاہ تھے۔ طریقت و حقیقت کے عاشقوں کی سیرابی کا چشمۂ صافی اپنے سینہ میں سموئے ہوئے تھے علمِ ظاہری و باطنی دونوں میں اپنے شیخ حضرتِ مدنیؒ کے صحیح جانشین تھے بلکہ حضرتِ مدنیؒ کے عاشقِ زار تھے۔ حضرت مدنیؒ کے تذکرہ سے ان کی آنکھیں آنسوؤں کا سمندر بن جاتیں۔ شاید ان کی کوئی مجلس حضرت شیخ الاسلامؒ کے تذکرہ سے خالی ہو، اپنے شیخؒ سے ان کی محبت عشق و وارفتگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ وہ حضرت مدنیؒ کے ظاہری و باطنی کمالات کے تہہ دل سے معترف تھے۔ ان کے علم و عمل کو حضرت مولانا مرحوم نے اپنے اندر جذب کر لیا تھا اور خلوت و جلوت میں انہی کے نقشِ قدم پر گامزن تھے۔ انہوں نے تعلق مع اللہ کے ساتھ تعلقِ خلق کے نسخۂ کیمیا پر عمل کرنا حضرتِ مدنیؒ سے وراثت میں پایا تھا۔

مسندِ حدیث کی تزئین کے ساتھ قومی سیاست میں حصہ لینا حضرتِ مدنیؒ ہی کی اتباع کا ثمرہ تھا۔ بادشاہی میں فقیری اور بلند مراتب کو چھونے کے باوصف تواضع حضرتِ مدنیؒ کا وطیرہ تھا جو حضرت مولانا میں اکمل طریقے سے موجود تھا۔ مخالفین کی دریدہ دہنی پر جامِ صبر نوش فرمانا بھی حضرتِ مدنیؒ سے نسبت کا نتیجہ تھا۔ وہ حضرتِ مدنیؒ کو صرف اُستاذ و شیخ نہیں مانتے تھے بلکہ ایک اتالیق و مربی اور روحانی والد سمجھتے تھے۔ وہ پاکستان میں حضرت مدنیؒ کے کمالات کا پَرتو تھے۔ حضرت مدنیؒ کے انفاسِ طیبہ سے حضرت مولانا مرحوم کی شخصیت بنی۔ عشقِ نبویؐ کا چراغ حضرت مولاناؒ کے قلب میں حضرت مدنیؒ کی جلائی ہوئی شمع کے طفیل تھا۔ اور اس چراغِ حقانی نے ایک دُنیا کو منور کر دیا سے

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بسینہ

اور یہ حضرت مدنیؒ کی نظرِ کیمیا اثر کا نتیجہ ہے کہ حضرت مولاناؒ سے اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت لی جس کی نظیر اس آخری دور میں ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ حضرت مولانا مرحوم معقولات اور منقولات دونوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے، ان کو حدیث کی طرح فنون کی کتابیں اور مسائل بھی ازبر تھے، با ایں ہمہ وہ اپنے کمالات کو خوب چھپانے کی کوشش کرتے تھے اور اپنی کسی ادا سے بھی اپنا علمی کمال ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا نے اپنے زمانے کے باکمال اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے علاوہ اپنے علاقہ کے جن بزرگ اور پختہ کار علمی ہستیوں سے انہوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی اُن میں میرے نانا حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب نور اللہ مرقدہ عرف شاہ منصور ملا صاحب کی مغتنم ہستی شامل تھی۔ ہمارے گاؤں "شاہ منصور" کو دیگر سعادتوں کی طرح یہ سعادت بھی حاصل رہی کہ یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کا مستقر اور علمی گہوارہ رہ چکا ہے۔ زمانہ طالب علمی میں انہوں نے ہمارے گاؤں میں بار بار قدم رنجہ فرمایا۔ آپ "شاہ منصور" کی ایک مسجد میں تحصیلِ علم کے سلسلہ میں مقیم رہے۔ اور میں نے نانا صاحب مرحوم سے خود سُنا کہ جب میں شاہ منصور سے کوہاٹ بغرض تدریس جارہا تھا تو اس ہونہار طالب علم نے جس میں اپنے وقت کا شیخ و مقتدا بننے کا جوہر پنہاں تھا، کہا کہ میں آپ کی سرپرستی میں سفرِ علم طے کرنا چاہتا ہوں اور رختِ سفر کوہاٹ باندھنا چاہتا ہوں لیکن پہلے اپنے والد بزرگوار سے مشورہ لینا چاہتا ہوں اگر انہوں نے مشورہ دیا تو میں جہانگیرہ کے اسٹیشن پر آپ کا انتظار کروں گا۔

اس وقت حضرت مولانا نوعمر بے ریش و بروت تھے۔ نانا صاحب مرحوم نے فرمایا جب میں اسٹیشن پر پہنچا تو وقت کا بننے والا شیخ الحدیثؒ اپنا مختصر سامانِ سفر لیے ہوئے سراپا انتظار تھا، پھر وہ میرے ساتھ کوہاٹ قاضیوں کے مدرسہ میں تشریف لے گئے۔ یہ تو معلوم نہ ہوسکا کہ حضرت شیخ الحدیث مرحوم نے شاہ منصور اور کوہاٹ میں نانا صاحبؒ کے ساتھ کتنا عرصہ گذارا۔ تاہم اتنا معلوم ہے کہ یہ دونوں جگہیں حضرت شیخ الحدیثؒ کے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف ہوئیں اور ان کے اقدامِ پاک کو کوہاٹ اور شاہ منصور کی سرزمین نے چُوما۔ اس چھوٹے سے واقعہ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ الحدیث مرحوم میں علمِ دین سے محبت کے باوصف والد ماجد کی تابعداری کا کتنا جذبہ موجزن تھا۔ نیز اساتذۂ کرام سے کتنا گہرا تعلق اور کتنی سچی محبت اور عقیدت مرکوز تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی شخصیت کے نکھار میں اساتذہ سے تعلق کا بڑا دخل ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ گویا ان اشعار کے مضمون پر عمل پیرا تھے ؎

رأیت احق الحق حق المعلم
واوجبہ حقاً علیٰ کلِ مسلم

(ترجمہ) میں استاذ کا حق سب سے افضل بلکہ سب سے لازم اور ضروری ہر مسلمان پر سمجھتا ہوں۔

لقد حق ان یہدی الیہ کرامۃ
لتعلیم حرف واحد الف درہم

(ترجمہ) وہ اس عزت و کرامت کا حقدار ہے کہ ایک حرف کی تعلیم کے عوض ان کی خدمت میں ہزار درہم ہدیہ کیے جائیں۔

عِلم کی اشاعت سے محبّت

دین کی خدمت خواہ دنیا کے کسی کونے میں ہو رہی ہو حضرتِ شیخ الحدیثؒ سُن کر خوشی سے جھوم اُٹھتے، اور کیوں خوش نہ ہوتے ان کی زندگی کا محور ہی دین کی اشاعت تھا، انہوں نے قومی اسمبلی کے ایوان میں جانا ہی دین کی خاطر قبول فرمایا تھا، ان کا اوڑھنا بچھونا ہی دین تھا، ان کا وظیفہ یہ تھا ؎

سہر العیون لغیر وجہک باطل
وبکاءھن لغیر فقدك ضائع

(ترجمہ) "آنکھوں کو تیری ذات کے علاوہ دوسرے مقصد کے لیے بیدار رکھنا باطل ہے اور تیری تلاش کے بغیر رونا بے کار اور ضائع ہے۔"

دین کی خاطر انہوں نے دن کا آرام اور راتوں کی میٹھی نیند قربان فرمائی تھی، دین کا درد ان کے دل میں ایسا پنہاں تھا جیسے مجنوں کے دل میں لیلیٰ کی یاد، ان کی زندگی کا مقصدِ وحید ہی دین کی سربلندی کی سعی تھا۔

عید الفطر ۱۴۰۸ھ کے کچھ دن بعد فقیر راقم الحروف اپنے تایازاد بھائی مولانا لیکچرر اظہار الحق صاحب کے ساتھ قدم بوسی کا شرف حاصل کرنے کے لیے حاضرِ خدمت ہوا۔ حضرتؒ کا چہرہ ضعف و نقاہت کے باوجود گلاب کی طرح چمک رہا تھا، زبان میں وہی پرانی شستگی و روانی تھی، کمزوری اور ناتوانی الفاظ کے سیلاب اور علوم کی روانی کو نہیں روک سکتی۔ حضرتؒ نے احوال پوچھے، میں نے کہا جنوبی افریقہ میں ایک مدرسہ میں مدرس ہوں جس میں درسِ نظامی اردو زبان میں پڑھایا جاتا ہے۔ حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور اس دُور دراز ملک میں جو نسلی امتیاز کی پالیسی میں گالی کی حد تک بدنام ہے، مدارس کا سلسلہ قائم ہونے پر نہایت خوشی ظاہر فرمائی، بہت دُعائیں دیں۔ اور اپنا دامن حضرتؒ کی مشفقانہ دعاؤں سے لبریز کرکے واپس ہوئے۔ حضرت مولاناؒ دُعا کو اپنی زندگی کا اہم وظیفہ سمجھتے تھے اور ہر وقت ہر مقصد میں دعا ہی کو کامیابی کا وسیلہ سمجھتے تھے ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا کردن است و بس
دربند آں مباش کہ نشنید یا شُنید

یہ اُن کا عمل تھا۔ اب ایسی ہستیاں کہاں ملیں گی؟ ایسی شخصیات کمیاب نہیں نایاب ہیں ؎

نہ قاصد، نہ صبائے نہ مُرغ نامہ بری
بسوئے یار رساند ز نزد ما خبرے
اے باد گر بگلشن احباب بگذری
زنہار عرض کن برِ جاناں سلام ما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا کی رحلت سے علماء و طلباء کا ظاہری سہارا ٹوٹ گیا اور دنیائے حدیث ایک کہنہ مشق اور ماہر استاذ سے محروم ہوگئی۔ اب کون حدیث کے چمنستان میں پھول کھلائے گا؟ کون مجاہدین کو اپنی صفوں میں اتحاد کی تلقین کرے گا؟ کون جہاد کے تنِ مُردہ میں رُوحِ عیسوی پھونکے گا؟ سچ تو یہ ہے کہ مولانا مرحوم اپنی گوناں گوں صفات کی وجہ سے اپنی ذات میں انجمن تھے جو بیک وقت بے شمار کام انجام دیتے تھے۔ وہ پچاس سال دین کی خاموش و پُرجوش خدمت کرکے تھکے ماندے مسافر کی مانند خوابِ راحت فرمانے کے لیے اپنی خواب گاہ میں تشریف لے گئے۔ انشاءاللہ تعالےٰ رحمت کے فرشتے صف آراء ہوکر ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں گی، قبر کی زمین ان کی آمد کی وجہ سے جُھومتی ہوگی، مبشر و بشیر ان کے یقین و اعتماد سے بھرے ہوئے کلمات سے مسکراتے ہوں گے، جنّت کی خوشبوئیں ان کے دماغ میں پہنچتی ہوں گی اور دُنیا میں جُھوٹے موٹے کپڑے پہننے والا اور دُنیا کی لذّتوں کو طلاق دینے والا جنّت کے لباس اور لذّتوں سے سرشار ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ دُنیا میں مولانا ان اشعار کے تن کو حقیقت کا جامہ پہنانے والے تھے ؎

ان اللہ عبادا فطنا
طلقوا الدنیا وخافوا الفتنا
نظروا فیھا فلما علموا
انھا لیست لحی وطنا
جعلوھا لجۃ واتخذوا
صالح الاعمال فیھا سفنا

(ترجمہ) ”یعنی اللہ تعالےٰ کے بعض ذہین بندے ایسے ہیں جو فتنوں کے خوف سے دُنیا کو طلاق دیتے ہیں۔ جب وہ دنیا میں غور کرتے ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ تو کسی زندہ کا وطن نہیں بنتی، تو دُنیا کی موجوں میں نیک اعمال کو کشتیاں بنا کر دُنیا کو پار کر لیتے ہیں“

اب مدرسہ کی چٹائی پر بیٹھنے والا جنّت کے قالینوں سے لطف اندوز ہوگا، روشنیاں ان کا چہرہ تکتی ہوں گی، اور دنیا میں معمولی مکان میں رہنے والا انسان جنّت کے عالی نشان مکان سے لُطف اندوز ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ کسے خبر تھی کہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا جانشین، صوبہ سرحد کا وقار، افغانوں کا فخر، مِلّت کا قیمتی سرمایہ، بزمِ مدنیؒ کا روشن چراغ اپنے متوسلین کو تاریکی میں چھوڑ کر گُل ہو جائے گا۔

حضرت مولانا عطاءاللہ شاہ بخاریؒ، حضرت بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے بعد اُمتِ مُسلمہ کی نگاہیں حضرت شیخ الحدیثؒ کی ذات پر صفات پر لگی ہوئی تھیں اور انہی کو دینی اور ملی محاذوں پر میرِ کارواں بنائے ہوئے تھے اور انہی کو دین و سیاست کا بے تاج بادشاہ سمجھتے تھے، ان کے اشارۂ ابرو پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہوتے تھے اور مشکلات میں انہی کی راہ تکتے تھے۔ انہی کے خطبات سے اپنے لیے منزل کی راہ متعین کرتے تھے، انہی کے خلوص و استقامت پر اعتماد کیے ہوئے تھے اور ان کا عمل اپنے لیے مشعلِ راہ سمجھتے تھے اور ان کو اسلام کے دشمنوں کے خلاف تلوارِ بے نیام سمجھتے تھے، انہی کی تقریروں سے آنکھوں کی ٹھنڈک، رُوح کی تپش، سینے کی حرارت، دل و دماغ کی غذا، اعضاء کی قوّت اور ہر طرح کی خیر و برکت حاصل کرتے تھے۔

آہ! موت کے بے رحم پنجے نے ہم سے وہ لعلِ بدخشاں چھین لیا، اب وہ شخصیت کہاں جس میں بے شمار خوبیاں سمٹی ہوئی تھیں۔ اب وہ ہستی کہاں ہے جو زخمی قلوب اور دُکھی انسانیت کے لیے مرہم کا کام دے۔ اب وہ وجود کہاں جو گہرے زخموں کی مرہم پٹی کرے۔ اب وہ باکمال انسان کہاں جو ہر طبقے کے لیے سامانِ تسلّی ہو۔ اب وہ فردِ کامل کہاں جو صوبہ سرحد کے پہاڑوں کے دامن میں دیوبندیت کا عَلَم بلند کرے۔ اب وہ روشن ستارہ کہاں جو ہر سال ہزاروں تاریک دلوں کو منوّر کرے، وہ آفتابِ نیمروز ایسے وقت میں غروب ہوا کہ اُمت کو اس کی پہلے سے زیادہ ضرورت تھی ؎

آسماں اُس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا مرحوم نے دین کی سربلندی کے لیے ہر موقع پر سر توڑ کوششیں کیں۔ جب سوشلزم اور کمیونزم کا فتنہ نرم و نازک محبوبہ کی پُرفریب شکل میں ظاہر ہوگیا اور پاکستان خصوصاً صوبہ سرحد کے غیور مگر سادہ لوح مسلمانوں کو اس کی زُلفوں کا اسیر بنانے کی کوششیں کی گئیں بلکہ پاکستان روس کی جُوعُ البقر کی زد میں آنے لگا تو حضرت مولانا مرحوم اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے اٹھے اور ان کی نگرانی میں نکلنے والے رسالے ”الحق“ نے اس کے تعاقب و تردید میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جب نیشنلزم کے نام پر پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی سعی کی گئی تو مولانا مرحوم نے سربکف ہوکر اس فتنے کو موت کی نیند سُلانے کی ٹھان لی۔ جب ملک دشمنانِ صحابہ کی زد میں آگیا تو مولانا نے اپنے علم کے تیروں سے ان کے سینوں کو چھلنی کر دیا۔ جب اندرونِ اسمبلی اسلام کے خلاف بعض ناعاقبت اندیشوں نے دریدہ دہنی کی تو حضرت مولانا نے ان کو دندان شکن جواب دے کر ان کے دانت کھٹے کر دیئے اور انکے شبہات کے تار و پود بکھیر دیئے ؎

یا تنگ نہ کر مجھ کو اے ناصحِ ناداں
یا چل کے دکھا دے کمر ایسی دھن ایسا

جب ملک میں بعض خواتین شیاطین کے روپ میں ظاہر ہونے لگیں تو مولانا نے ان کو راہِ راست پر لانے کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ جب ملک کی سالمیت کو کوئی خطرہ لاحق ہوا تو مولانا مرحوم کی نیم شب کی آہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پُرتفرع اور سرتوڑ کوششوں نے ملک کی حفاظت پر حرف نہیں آنے دیا۔ جب افغانستان کو مارکس اور لینن کی مجازی اولاد نے آتش سوزاں بنا دیا تو مولانا مرحوم نے ان کی لگائی ہوئی آگ کو مجاہدین کے بہتے ہوئے خون سے ٹھنڈا کر دیا ؎

لیس من اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

(ترجمہ "اللہ تعالیٰ کے لیے تمام مخلوق کو فرد واحد میں جمع کرنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں")

موثق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد مولانا مرحوم سیماب کی طرح بے قرار و پریشان تھے اور اپنے شاگردوں سے جن کی اکثریت کا تعلق افغانستان سے تھا مشورے فرماتے رہتے تھے، بسا اوقات یہ مشورے رات گئے تک جاری رہتے، نتائج کہ اپنے تلامذہ کو جہاد کے میدان میں کودنے پر مکمل طور پر آمادہ کر لیا اور یوں حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا مستقر اکوڑہ خٹک جہاد کی تربیت گاہ اور ٹریننگ گاہ بن گیا بلکہ شہیدان کے خواب شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت آپہنچا۔ پھر مجاہدین کے کمانڈر حضرتؒ سے مشورہ اور دعا لینے کے لیے روزانہ یا دوسرے روز حاضر ہوا کرتے تھے اور یہ پرانا شیر اپنے اسی سال کے تجربات سے اُن کی سرگرمیوں کو نوازتے رہے اور اُن کے جہاد کے انجن میں پٹرول کا کام انجام دیتے رہے۔ کس کو معلوم تھا کہ یہ خاموش مگر پر جوش عالم دینی شاگردوں کی ایسی کھیپ تیار کرے گا جو آگ اور خون کی ندیوں میں کودنے کو سعادت دارین سمجھے گی۔ کسے معلوم تھا کہ اس مرد درویش کے منہ سے نکلنے والے کلمات جہاد کے بارود سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ کون جانتا تھا کہ یہ مرد باخدا بغیر وسائل کے مسائل حل کرانے میں یکتا ہو گا ؎

؎ اے دل طریق رندی از محتسب بیاموز
مست است در حق او کس این گماں ندارد

؎ جل مرتا ہے شعلوں میں مگر اُف نہیں کرتا
پروانے کا انداز وفا غور طلب ہے

واقعی یہ دین و علم کا پروانہ برسوں دین کی محبت میں جلتا رہا مگر اُف تک نہیں۔ مولانا مرحوم نے دین کے چراغ کو باطل کی ظالم ہواؤں سے بچانے میں ملنے کے ہر ستم کو خندہ پیشانی سے دن کو قال اللہ تعالیٰ و قال الرسول اور رات کو آہوں اور نالوں سے اس چراغ کی روشنی قائم رکھی اور بزبان حال یہ فرماتے رہے ؎

کوئی رہے نہ رہے اک آہ اک آنسو
بصد خلوص و بصد امتیاز ساتھ رہے

مولانا فخر افغان تھے میں تو بعض حلقوں سے معذرت کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ حضرت شیخ الحدیث مرحوم واقعۃً فخر افغان تھے میرے نزدیک وہ فخر افغان نہیں جو افغان مجاہد قوم کو عدم تشدد کا سبق پڑھا کر چار دیواری کے اندر بٹھا دے اور ظالموں اور کافروں کے ظلم و کفر کو برداشت کرنے اور اسلام کو تہہ و بالا کرنے کی تلقین کرتا رہے، وہ فخر افغان نہیں جو لامذہبوں کے سامنے سر جھکا کر ایک خدا کو بھول جائے، وہ فخر افغان نہیں جو غیر اللہ کے سامنے جھولی پھیلا دے اور اپنی قوم کی بیٹیوں کو سر عام برہنہ ہونے کی خاموش تلقین کرے، وہ فخر افغان نہیں جو اسلام کے علاوہ دوسرے تمام مذاہب یہاں تک کہ ہندو مذہب کو بھی حق سمجھے بلکہ وہ فخر افغان ہے جو اپنی قوم کو صدیوں پرانا سبق یاد دلا دے اور ان کے بجھے ہوئے کوئلہ میں جہاد کی روح پھونک دے، وہ فخر افغان ہے جو ایسے مجاہدوں کی جماعت تیار کرے جو سر بکف اور کفن بر دوش ہو کر دشمنان اسلام کے سینوں میں نشتر پیوست کرے، وہ فخر افغان ہے جو مُردہ دلوں کو نئی زندگی بخش دے اور ان میں نیا شعور اور ولولہ پیدا کر دے، وہ فخر افغان ہے جو اندرون اور بیرون ملک قابل فخر شاگردوں میں دینی غیرت کی چنگاریاں بھر دے اور ان کو کفر کی آنکھوں کے لیے برق خاطف بنا دے اور ان کے تنکوں کو دینی تعلیم کے سیل رواں میں بہا دے، وہ فخر افغان ہے جو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فلسفہ اور علم حدیث، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا جذبۂ جہاد زندہ کرے، فخر افغان وہ ہستی ہے جو دیوبندیت کے عناصر اربعہ (۱) امام ابوحنیفہؒ کی فقہ (۲) شاہ ولی اللہ کی فکر (۳) شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا جذبۂ جہاد (۴) حضرت مجدد الف ثانیؒ کے طریقۂ اصلاح کو ترتیب دے کر اس میں دیوبندی روح ڈال کر دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں افغان قوم کے سامنے کھڑا کر دے اور اس بہارستان سے لوگوں کو لذت اندوز ہونے کی بھرپور دعوت دے اور سب لوگ انکی دعوت پر لبیک کہہ کر پروانہ وار گریں۔

سچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو بے شمار خوبیوں سے مالا مال فرمایا تھا اور ان کے وجود کے عالم اصغر میں عالم اکبر کی خوبیاں ودیعت رکھ تھیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ایسی ہستی کے قرب میں رہ کر اپنے دامنوں کو ہیروں سے بھر چکے ہیں۔ قابل رشک ہیں وہ حضرات جنہوں نے اپنے اوقات کو حضرت شیخ الحدیثؒ کی زبان سے نکلے ہوئے جواہر ریزوں کے جمع کرنے اور سلک تحریر میں پرونے کے لیے وقف کیا۔ اور قابل دید ہیں وہ ہستیاں جن کی آنکھیں صبح و شام حضرتؒ کے دیدار سے منور ہوتی رہیں اور لیل و نہار کی قید سے آزاد ہو کر ہر دم حاضر خدمت رہے۔ ہم تو ہزاروں میل دور رہنے کی وجہ سے ان کی زیارت اور آخری ملاقات سے بھی محروم رہے، بس صرف ان کی یاد کو چراغ راہ اور شمع محفل بناتے رہے اور یوں کہتے رہے ؎

آئی جب اُن کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور زبانِ حال سے یوں بھی گویا ہوئے ؎

گرچہ دوریم بیاد تو قدح می نوشیم
بعد جانی نبود در سفر روحانی

وفات حسرت آیات

یوں تو ایک دن سب کو یہ دنیائے فانی چھوڑ کر اپنے وطنِ اصلی آخرت کی طرف جانا ہے۔ دنیا میں جو بھی آیا بقا و دوام کے لیے نہیں آیا بلکہ اس کارزارِ زندگی میں محنت و سعی کرنے اور آخرت بنانے کے لیے آیا، بقول ابو نواس ؎

لہٗ ملکٌ ینادی کل یوم
لدو للموت وابنوا للخراب
الا یا صاحب القصر المعلّٰی
ستدفن عن قریب فی التُّراب
قلیل عمرنا فی دارِ دُنیا
ومرجعنا الی بیت التراب

(ترجمہ) یعنی روزانہ ایک فرشتہ آواز لگاتا ہے کہ سب کا انجام موت ہے اور عمارتیں بنایا کرو ان کا انجام بھی ویران ہونا ہے۔ اے بڑے محل کے مالک عنقریب تجھ کو مٹی میں دفن کیا جائے گا۔ اس دنیا میں ہماری عمر تھوڑی ہے مٹی کے گھر کی طرف ہمارا رجوع ہوگا۔"

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کی آیت کریمہ سب کو موت اور فنا کی دعوت دے رہی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے تحفظ کے لیے دُنیا کے تمام اسباب کا انتظام کرے، خوشگوار آب و ہوا سے متمتع ہوتا رہے، ڈاکٹروں کی ٹیمیں شب و روز اس کی صحت کی نگرانی کرتی رہیں، ہر آفت و مضرت سے بچنے کے لیے دن رات ایک کر کے دربانوں کی جماعتیں اس کی حویلی کے سامنے سرو قد کھڑی رہیں پھر بھی اَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ کی آیت کریمہ کا حکم ان تمام تحفظات کے پردوں کو پھاڑ کر اپنی تاثیر دکھائے گا ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

مگر مولانا مرحوم جیسے لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ سے توشہ دان بھر کر اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاتے ہیں اور لوگوں کو روتا ہوا چھوڑ کر خود خنداں و خرّاماں سوئے آخرت تشریف لے جاتے ہیں اور حافظ شیرازیؒ کی زبان میں فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کہ از منزلِ ویراں بروم
راحتِ جاں طلبم و از پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے
بر سرِ میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

حضرت مولاناؒ اُن لوگوں میں سے تھے جو حیاتِ مستعار کے ایام کو اپنے جاناں کی نذر کر کے آخرت کو سدھارے اور اپنے اوپر دُنیا کی راحتوں کو حرام کر کے دین کی خاطر کسی بھی مشقت جھیلنے سے کبھی دریغ نہیں کیا بلکہ مولانا جیسے حضرات کے لیے تو موت ایک تحفہ ہوتا ہے۔ ایسے حضرات کی روحیں موت کی پکار کو سن کر خوشی سے جھوم اٹھتی ہے، وہ دنیا کو خانۂ ویراں سمجھتے ہوں اور آخرت کی نعمتیں ان کو کشاں کشاں اپنی طرف بلاتی ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں معمولی کرتہ پہن کر دو صفوں کے درمیان گھوم رہے تھے، ان کے صاحبزادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ابا جان! ماھذا بزی المحاربین یہ لڑنے والوں کی ہیئت اور لباس نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے لا یبالی ابوك علی الموت سقط ام سقط علیہ الموت آپ کے والد کو یہ پروا نہیں کہ وہ موت پر گر جائے یا موت اُس پر گر جائے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں شہادت کے مرتبے پر سرفراز ہونے سے قبل فرمانے لگے: غداً القی الاحبة محمداً وحزبه کل اپنے دوستوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت سے ملاقات ہوگی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایرانی سپہ سالار رستم بن فرخ زاد سے فرمایا تھا: فان معی قوماً یحبّون الموت کما یحب الاعاجم الخمر یعنی میرے ساتھ جو قوم وابستہ قتال ہے وہ موت کو اس طرح پسند کرتی ہے جس طرح عجمی لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کا طریقۂ تدریس

جیسے پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ حضرت شیخ الحدیثؒ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا پر تو تھے۔ ان کا طریقۂ تدریس بھی حضرت مدنیؒ ہی کی طرح تھا۔ الفاظ کی ادائیگی، مطالب کی تفصیل، زبان کی فصاحت، کلام کی دل نشینی، مضامین کی شیرینی، آواز کی بلندی اور صفائی، کلام کی پختگی، مذاہب کی تفصیل، بیان کی دلآویزی میں وہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی تصویر اور عکس تھے حضرت مدنیؒ کے کوثر و تسنیم میں ڈھلے ہوئے کلمات حضرت مولاناؒ کے قلب پر نقش ہو گئے تھے۔

فقیر راقم الحروف نے حضرت شیخ الاسلامؒ کی بخاری شریف کے درس کی کیسٹیں سُنی ہیں حضرت مولانا انفعؒ کو حضرت مدنیؒ سے بہت مشابہ پایا، اگر پشتو اور اُردو زبان کا فرق نہ ہوتا تو پہلی سماعت میں حضرت مولاناؒ پر حضرت مدنیؒ کا گمان ہوتا۔ اپنے شیخؒ کی طرح گھنٹوں گھنٹوں حدیثِ نبوی کا درس دیتے ہوئے حدیث کی لذتیں لوٹتے تھے، اُن کے ہاں تھکاوٹ نام کی کوئی چیز نہ تھی، اور مفردات کی تشریح سے لے کر حدیث کے نکات تک کے نغمے چھیڑتے اور چمنِ حدیث میں وہ پھول کھلاتے جن کی خوشبو ہوش اڑاتی ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز ہے
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دارالعلوم حقانیہ

۱۹۴۷ء کو برِصغیر دو حصّوں میں تقسیم ہوگیا۔ ایک حصّے کا نام انڈیا یا بھارت اور دوسرے کا نام پاکستان رکھا گیا۔ غلامی کی طویل تاریکی کے بعد ایک نیا اسلامی خطہ مسلمانوں کے حصّے میں آیا۔ اتفاق سے مسلمانوں کے حصّے میں وہ سرزمین آئی جو اسلامی مدارس سے تہی دامن تھی۔ بڑے بڑے مدارس سب انڈیا میں رہ گئے جہاں سے مسلمان ہجرت کرکے اس نوزائیدہ ملک میں چلے آرہے تھے۔ تقسیم سے کچھ پہلے حضرت مولاناؒ بھی دارالعلوم دیوبند کے فراق کا صدمہ برداشت کرکے سرحد تشریف لائے جو پاکستان ہونے کے علاوہ مولاناؒ کا اصلی وطن اور مستقر بھی تھا۔ یہیں پر مولاناؒ نے آنکھیں کھولی تھیں اور یہیں پر ان کی تربیت ہوئی تھی، اور علوم وفنون کا زیادہ حصّہ بھی یہیں پر پڑھا تھا۔

چنانچہ صوبہ سرحد میں اپنی بستی اکوڑہ خٹک میں قیام فرما کر مسلمانوں کی اس دینی ضرورت کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت مولاناؒ جانتے تھے کہ اب مساجد میں رہائش اور ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح بے ترتیب کتابوں کے پڑھنے کا زمانہ نہیں، اب ترتیب کا دور ہے اور زمانہ نئے تقاضوں کے ساتھ دین کی خدمت کا متقاضی ہے، اب وہ دور نہیں کہ ایک طالب علم معقولات میں عمر کا اکثر حصّہ گذار کر پھر علمِ حدیث کے گلشن میں قدم رکھے گا۔ اب معقولات اور قدیم فلسفہ کے زیادہ رٹنے رٹانے کا دور نہیں۔ اب سلم العلوم اور قاضی مبارک کے دس دس حواشی مطالعہ کرنے کا دور نہیں۔

حضرت مولاناؒ تاڑ گئے تھے کہ اب ایسے فتنے نمودار ہونے والے ہیں جن کا مقابلہ قدیم فلسفی نہیں کرسکتا، اب ایسے فتنوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے روئے زمین کو ڈھانپنے والے ہیں جن میں قرآن وحدیث اور علوم نقلیہ میں مہارت ہی روشنی کا کام دے سکتے ہیں، یہ تاریکی چراغِ مصطفوی ہی سے کافور ہوسکتی ہے اور اس کے لیے بالغ النظر علماء پیدا کرنے چاہئیں۔ مولانا کے پیشِ نظر یہ بھی تھا کہ یہ خطہ مدارس سے خالی ہے، کہیں یہ اولیاء کا خطہ "خانۂ ویران را دیو مے گیرد" کا مصداق نہ بن جائے۔ کہیں پاکستان بن جانے کے بعد یہاں کے عوام وخواص جدید تہذیب کی رَو میں نہ بہہ جائیں اور تقویٰ وخشیتِ الٰہی کا طوقِ زرّیں اپنے گلوں سے نہ اُتار دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ علماء اپنے بچوں کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کی نذر کردیں اور اسلاف کی پُونجی نابکاروں کے ہاتھوں نذرِ آتش ہوجائے۔

چنانچہ مولانا نے بے سروسامانی کے عالم میں توکلاً علی اللہ تعالیٰ دارالعلوم حقانیہ کے نام سے اسلامی یونیورسٹی کھولی جس کا سرمایہ اخلاص تھا جس کی عمارت توکّل تھا، جس کا نصب العین علوم اسلامیہ کے عَلَم کو بلند کرنا تھا، جس کا نصاب قدیم وجدید کا حسین امتزاج تھا، جس کا مقصد دحید علومِ نبویہ کی اشاعت تھا جس کا مشن ہر باطل کو زیر وزبر کرنا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت مولانا اپنے خلاص کی برکت سے کامیابی سے خوب ہمکنار ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے تھوڑے عرصے میں ان کے لگائے ہوئے باغ کو بار آور فرمایا۔ جو پودا انہوں نے لگایا تھا وہ میوہ دار درخت بن گیا اور مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلها ثابت وفرعها فی السماء کا منظر خلقِ خدا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یوں دارالعلوم حقانیہ قوم کیلئے رحمت ثابت ہوا اور اس نے وہ متقی اور مخلص علماء پیدا کیے جن پر دامن نچوڑیں تو فرشتے وضو کریں کا مصرعہ صادق آتا ہے، اس نے وہ اہل اللہ قوم کو دیئے کہ جن کے تقویٰ کی قسم کھائی جاسکتی ہے، اس نے وہ پختہ اور تجربہ کار مدرسین ملّت کے حوالے کیے جن کی پختگی میں بیگانے بھی کلام نہیں کرسکتے۔ اس نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دین کی فضا قائم کی۔ دین کا اب کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں دارالعلوم کے تابناک ستارے نہ چمکتے ہوں اور اپنی کرنوں سے روحانی غذا نہ پہنچاتے ہوں۔ ذٰلك فضل الله یؤتیه من یشاء۔

مولاناؒ کی اولاد و امجاد

ہر مسلمان خصوصاً عالمِ دین کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ میری اولاد میری اور اللہ رب العزت کی مرضی اور خوشنودی کا مجموعہ بن جائے۔ جس شخص کی اولاد اس کی تمناؤں پر پانی پھیر دے وہ ناکام ونامراد سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو صالح اولاد سے نوازا۔ ان کی اولاد میں مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا حافظ انوار الحق صاحب عالم باعمل اور اعلیٰ پائے کے مدرس ہیں۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کو تو اللہ تعالیٰ نے علمی اور سیاسی میدان میں کام کرنے کے لیے منتخب فرمایا اور ہر میدان میں حضرت مولاناؒ کے مشن کو پورا کرنے کا اہل بنایا۔ مدرسہ ہو یا میدانِ تحریر، اسمبلی ہو یا تقریر کی جولانگاہ، درس وتدریس ہو یا تعلیم وتفہیم، وہ ہر محاذ کو سَر کرنے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کو اسلامی نظام کی ترویج میں خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرتے، وہ اسلام کی خدمت کو اپنا نصب العین سمجھتے ہیں، ان کی کوثر وتسنیم میں دھلی ہوئی تحریر اور تقریر آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہوتی ہے، ان کے قلم کے تیغ سے اہلِ باطل تھرّاتے ہیں، ان کا باطل شکن قلم جب اسلام کی صداقت کے دلائل دیتا ہے تو باطل کانپتے ہوئے زیرِ زمین چھپ جانے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

الغرض مولانا سمیع الحق صاحب "الحق" کے ایڈیٹر، قابلِ رشک صحافی صاحبِ طرز ادیب، متعدد کتابوں کے مصنّف، دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم و استاذالحدیث، مدبّر سیاستدان، بلندپایہ مدرس، رمز شناس محقق اور جیّد خطیب ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب بھی جیّد عالم ومدرس، استاذالحدیث، نیک صالح باغیرت عالم اور دارالعلوم حقانیہ کے نائب مہتمم ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولاناؒ کی نیک اولاد اور لگائے ہوئے شجرِ طوبیٰ کا سایہ مخلوق پر قائم رکھے۔

وهذا دعاء للبرية شامل

© rasailojaraid.com